بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشارات

پچھلی مرتبہ جو گذارشات کی تھیں، اب اس سے ذرا آگے کی باتیں ہو جائیں۔

پہلی اشد ضروری بات یہ ہے کہ آیا خادمانِ دین اور داعیانِ نظامِ حق اپنے بنیادی عقیدے، جذبے، شعور اور نصب العین کو اسی طرح تر و تازہ اور جاندار رکھنے میں کامیاب ہیں، جیسا کہ وہ ان میں کبھی پہلے تھا؟

ایمان و مقصد کی آبیاری تو مطالعہ قرآن و حدیث، اساسی عبادات کی پابندی اور اُن سے صحیح ایمانی و شعوری استفادہ اور نظام سمع و طاعت کے احترام سے ہوتی ہے۔ دینی کردار کے لیے مزید توانائی کا حصول متعدد تدبیروں سے ممکن ہے، مثلاً مخلوقِ خدا کی مختلف امکانی طریقوں سے خدمت، خاندان، پڑوس اور اُس سے وسیع حلقے کے مستحقین کی مدد، نادار طلبہ، محنت کش غربا، محتاج بیماروں، نیز بیواؤں، یتیموں اور معذوروں کو اپنے مال اور قوتِ بازو اور اپنے وسائل سے سہارا دینے کی بے تابانہ سرگرمی، اور پھر سب سے خواص و عوام کے زیادہ سے زیادہ حلقوں کے اندر زیادہ سے زیادہ افراد تک خدا و رسول کی پکار کو پہنچانے کی مجاہدانہ تگ و دو جتنی زوردار یہ کوششیں رہی ہوں گی، اُن کی شادابی آپ کے ایمان میں، اور ویسی ہی تر و تازگی آپ کی محبتِ نصب العین میں موجود ہوگی۔ یہ اگر نہیں ہے تو بلاشبہ اس میں کچھ دوسروں کی کوتاہیوں کا حصہ بھی ہو سکتا ہے اور کچھ آپ کے ماحول اور مسائل کا اثر بھی پڑ سکتا ہے، مگر بہر صورت عند اللہ سب سے پہلی اور بڑی ذمہ داری آپ کی ہے خصوصاً جس دن سے خدا کے کسی بندے نے آپ کو تحریک اقامتِ دین کا شعور دلا دیا، اُس دن سے ذمّہ داری کے بوجھ کا زیادہ بڑا حصہ اُس کے کندھوں پر لد گیا۔

اب جو بازپرس آپ اور مجھ سے آخرت میں ہوگی، ہو سکتا ہے کہ تھوڑی بہت رعایت ہمیں

دوسروں کی کوتاہیوں اور ماحول کی مشکلات کی وجہ سے مل جائے، مگر ہم پوری طرح یہ ثابت نہ کرسکیں گے کہ ہمارا پارٹ زیادہ تر ٹھیک رہا۔ بس غیر اختیاری وجوہ سے کہیں کوئی کسر رہ گئی۔ دوسروں کی واقعی اگر کوئی کوتاہی ثابت ہوگی تو اس کا حساب انہیں دینا ہوگا۔ لیکن اُن کو اگر بڑی سے بڑی سزا بھی مل جائے تو وہ سزا مجھے اور آپ کو بخشوا نہیں سکے گی۔

مُلک کے دینی لوگ جو آپس میں مل بیٹھنے پر "کارِ دین" کی کمی کا رونا روتے ہیں، میرا مشاہدہ ہے کہ وہ سارا الزام دوسروں پر دھرتے ہیں (چاہے وہ اُن کے اپنے ساتھی یا پیش رو ہوں، چاہے حکومت اور اُس کے کارکن ہوں، چاہے مخالفین اور معاندین) اور گفتگو جب اِس رُخ پر چل نکلتی ہے تو اصل مبحث فراموش ہی ہو جاتا ہے۔ ہر دو دو چار چار ملنے والے بات کرتے کرتے ایک عدالت کا روپ دھار لیتے ہیں۔ اور کسی بھی غیر حاضر ملزم کو کٹہرے میں کھڑا کرکے اس پر فردِ جرم لگا دیتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ خرابیٔ احوال اور کوتاہیٔ کار کے اسباب کا تجزیہ کرتے ہیں۔ کم سے کم میرا تجربہ و مشاہدہ یہی ہے کہ اس قسم کی پرائیویٹ مجالس اور گفتگوؤں میں خود شرکاء یہ بھول جاتے ہیں کہ اُن کا فرض کیا ہے اور اُن کے امکان میں کیا کچھ ہے۔ اور انہیں کن کمزوریوں یا مشکلات کو دُور کرنے کی سعی و جہد کرنی ہے، اور انہیں یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ خود ایک کمزور پُرزہ بن جانے کے بعد نیکی پھیلانے والی ساری مشینری پر کیسا بُرا اثر ڈالتے ہیں۔ اور اگر ایسے ہی چند پرزے اور موجود ہوں جن میں سے کوئی ناکارہ ہو جائے، کوئی اُٹھ اُٹھ کر چلے، کوئی بار بار سامنے کے پُرزوں کو خراب کرے تو مجموعی نتیجے پر کیا اثر پڑے گا۔

میں ایسی گفتگوؤں کو ترس گیا کہ دینِ برحق کی دعوت پھیلانے والے دو چار دوست مل کر یہ سوال اُٹھائیں کہ آؤ بھائیو! یہ سوچیں کہ ہمارے اندر ایک عرصے سے برف کیوں گرنے لگ گئی ہے، ہمارے جذبات آئس کریم کیوں بنتے جا رہے ہیں؟ ہم ایک ٹھنڈی یخ دلدل میں آہستہ آہستہ نیچے جا رہے ہیں، آخر کیوں؟ اور پھر اس پر غور کریں کہ ہمارے اندر کس چیز کی کمی ہے؟ پہلے ہم کیا کرتے تھے جو اب نہیں کرتے، یا پہلے کیا نہیں کرتے تھے جو اب کرنے لگے ہیں؟ پھر وہ یہ مثبت قدم اُٹھائیں کہ ہم بحالاتِ موجودہ (IN SOME GIVEN CONDITIONS) اپنی قوتوں کو دین کی سربلندی کے لیے کس کس طرح استعمال کرسکتے ہیں اور جو کمی رہ گئی ہے اُس کی تلافی کیسے کرسکتے ہیں۔

میں تو کہتا ہوں کہ سچے مومن کا کام یہ ہے کہ وہ تنہائی میں خود ہی اپنے متعلق سوچے کہ وہ کہاں کہاں کوتاہی کر رہا ہے اور اُسے کس کس سرگرمی کا آغاز کر دینا چاہیئے۔ نماز اسی لیے پڑھی جاتی ہے کہ قیام و قعود اور رکوع و سجود میں آدمی اپنا احتساب کرے، بستر پہ جاتے ہوئے دن بھر کا چٹھا کھول کر نگاہوں کے سامنے رکھے، صبح جب " اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ" پڑھتا ہوا اُٹھے اور دروازے سے جب بِسْمِ اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰهِ پکار کر قدم باہر نکالے تو نئے دن کا نیا پروگرام (ORDER OF THE DAY) اُس کے سامنے ہونا چاہیے۔

اسی تجربے کی ابتدا کرنے کا طریقہ یہی ہے کہ ہم اپنی گھریلو نشستوں اور پرائیویٹ گفتگوؤں کے متعلق طے کر لیں کہ دوسروں پر الزام لگانے اور اُن کے خلاف شکایات بیان کرنے کے بجائے ہم پہلے اپنے خلاف الزام لگائیں گے۔ اور اپنے بارے میں شکایات کو زیر بحث لائیں گے۔ اور کوتاہی یا غلطی کی تلافی کریں گے۔ کسی دوسرے سے کوئی شکایت ہو گی تو پھر اس سے جا کر خلوص اور خیر خواہی اور اپنے ضمیر کی صفائی کے ساتھ بات کریں گے۔

بد قسمتی سے ہماری اکثر و بیشتر گفتگوئیں غیبت و بدگوئی کے دائرے میں چلی جاتی ہیں اور ہم اپنے گرد آلود ایمان اور جذبات پر کئی غلاظتیں ڈال کر اُٹھتے ہیں۔

یہ دین کا کام کرنے والے حلقوں کے لیے بڑی دور رس تباہی کے اسباب ہیں۔

دینی کام کے لیے بہت بڑا سرمایہ محبت و اخوت کا ہے۔ خدا کی راہ میں گامزن ہونے والے قلیل التعداد گروہ اس محبت و اخوت کے ذریعے " دو اور دو چار" کے بجائے " دو۲ اور دو۲ چھ۶ (یا آٹھ) ثابت ہوتے ہیں۔

محبت و اخوت کا یہ تعلق اوّلاً اس ایمان پہ قائم ہوتا ہے کہ ہم ایک خدا کے بندے ہیں، ایک رسولؐ کے مشن کے خادم ہیں۔ اور ایک ہی نصب العین کے حصول کے لیے منظم فوج بن کر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مشترک مخالفتوں کا احساس اتحاد و محبت کا باعث بنتا ہے اور ہم ایک دوسرے کے ہاتھ پکڑ کر سیلاب کی موجوں کا مقابلہ کرتے ہیں اور جس کے قدم لڑکھڑانے لگتے ہیں اُسے دسیوں ساتھی سہارا دینے کو موجود ہوتے ہیں اور دیا رِ محبت کے اصول اور طریقے قرآن و حدیث میں بیان کیے گئے ہیں۔ حسن ظن اور سلام و ہدیہ

سے بے کر ہمارے دین اشارت تک کے سارے راستے بتائے گئے ہیں۔ اور خاص طور سے ذاتی رابطوں اور ذاتی اعمال میں دلچسپی لینے کا احساس دلایا گیا ہے۔

دوسری طرف اہلِ دین کے رشتۂ محبت و اخوّت کو تباہ کرنے والی چیزیں بہت سی ہیں جن کا قرآن و حدیث میں بیان ملتا ہے۔ ان میں تحقیر آمیز استہزا، بد کلامی، غیبت، بہتان اور نجویٰ جیسی باتیں اوّل درجے پر آتی ہیں۔

یہ خرابی بھی کچھ کم ضرر ناک نہیں ہے کہ کسی فرد یا کسی گروہ پر تنقید و اختلاف کو خود اس کے سامنے لانے کے بجائے اِدھر اُدھر پھیلایا جائے، اور مشورت کے راستے سے جہاں معاملات ہو رہے ہوں، وہاں تو رائے دہی یا اختلاف کے حق کا صحیح طریق سے استعمال نہ کیا جائے، بعد میں فیصلوں اور پالیسیوں کے خلاف رائے زنی کی جائے۔ علاوہ ازیں جب رائے دہی، اظہارِ اختلاف اور تنقید و احتساب میں حق نصح کی ادائیگی کا اہتمام نہ کیا جائے، یعنی اس میں روحِ خیر خواہی موجود نہ ہو اور ان اُمور کے لیے متوازن ذہن کے ساتھ مناسب الفاظ اور لہجہ اختیار نہ کیا جائے اور بہت سے دوسرے لوگوں کے کسی رائے پر جمع ہو جانے کے بعد اپنی ذاتی رائے کو باقی رکھ کر اُسی کے مطابق اپنی روش بنائی جائے تو اس طرح دین کا کام نہ کبھی چلا ہے، نہ آئندہ چل سکے گا۔

اقامتِ دین کی سعی بڑے اُونچے حوصلے اور اولوالعزمی کا کام ہے۔ اس کے لیے ذہنی توازن، دوسروں کے ساتھ جذبۂ ہم آہنگی اور ذاتی رایوں کے خلاف ہونے والے فیصلوں کی پیروی لازم ہے۔ ماسوا اس کے کہ آپ کے سر کتاب و سنّت کے نصوص کے صریحاً خلاف کوئی چیز ٹھونسی جا رہی ہو۔ روزمرّہ کام کے لیے طریقِ کارِ دعوت کے بنیادی اصولوں کے تحت سوچے اور اختیار کیے جاتے ہیں۔ مثلاً فرض کیجیے کہ فیصلہ یہ ہے کہ تعلیم بالغاں کے ذریعے کام کرنا ہے تو پھر ایک دیانتدار داعیٔ حق کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنی ساری سوچ، اپنے دوستوں کے سارے مشوروں اور قابلِ عمل ساری تدبیروں کے ساتھ تعلیم بالغاں کو ذریعۂ دعوت بنائے اور کوئی اختلاف رائے اس کی سرگرمیٔ عمل کو کم نہ کر سکے۔

ایسے ہوتے ہیں سچے داعیانِ اقامتِ دین!

محبت واخوت کی فضا کو تباہ کرنے کا باعث افراد کی باہمی نزاعات بھی ہوتی ہیں۔ کچھ نزاعات کا تعلق زبان کے غلط استعمال سے ہوتا ہے اور کچھ کا تعلق نامناسب رویّے سے۔ کبھی کسی کی معمولی سی حق ماری (جیسے اُس کی نشست پر اُس کی اجازت کے بغیر قبضہ جمالیا، یا کسی کے راز کو افشا کیا، یا کسی کی کوئی چیز ضائع کر دی) سے تعلقات میں تکدر پیدا ہو جاتا ہے۔

ایسے معاملات میں نہایت ہی سہل طریقہ جذبۂ صادق کے ساتھ معافی طلب کر لینا ہے۔ طلبِ عفو رسمی اور نمائشی بن جاتی ہے اگر اس کے ساتھ قلبی ندامت شامل نہ ہو۔ بطورِ خود معافی کا حصول اور تعلقات کی بحالی کی مہم سر نہ کی جاسکتی ہو تو کسی تیسرے آدمی سے مدد لی جاسکتی ہے۔ بہرحال دو مسلمانوں کو جلد سے جلد تعلقات کو بحال کر لینا چاہیے۔ صرف ظاہری تعلقات ہی نہیں، قلبی تعلقات بھی![1]

محبت واخوت کی تباہی کا ایک باعث باہمی معاملات کی خرابی ہوتا ہے۔ مثلاً مل کر کاروبار کرنے والے ساتھی اگر ایک دوسرے کے حقوق کا نقصان کریں، یا اپنے حصے سے زیادہ مال اُڑا لیں۔ یا طے شدہ معاہدے کی خلاف ورزی کریں، یا واجبات کی حسبِ وعدہ واپسی نہ کریں، یا حسابات کو چھپائیں تو ایسی تمام امکانی صورتوں میں سے کوئی بھی برادرانہ تعلقات کو خراب کر سکتی ہے۔

اس کا علاج سوائے اس کے کیا ہے کہ معاملات اور تقسیمِ حقوق و فرائض کو تحریری شکل میں لایا جائے، مفاد کی دنیا میں اُمورِ معروف کی پابندی میں کوتاہی ہو جائے تو از سرِنو پابندی اختیار کی جائے۔ پہلے جو غلطی کی جاچکی ہو اُس کی تلافی اور معافی کی کوشش کی جائے۔ کاروبار اور دولت سے زیادہ عزیز اپنے بھائی کو رکھا جائے۔

کوئی اُلجھن واقع ہو تو ٹھنڈے طریق سے تبادلۂ خیالات کیا جائے، معاملات کا تجزیہ کیا جائے، حسابات دیکھے جائیں، شہادتیں حاصل کی جائیں۔ وضاحت کی ضرورت ہو تو وضاحت کی جائے، ثالثی کی ضرورت پڑے تو کسی معتمد علیہ بزرگ یا مشترک دوست کو ذریعہ بنایا جائے۔ کسی مرحلے پر نوبت توتکار، گالم گلوچ اور دھینگا مشتی تک نہیں پہنچنی چاہیے۔ کیونکہ یہ نفاق کی ایک علامت ہے کہ جب نزاع پیدا ہو تو کوئی شخص فجور کا راستہ اختیار کرے۔

[1] قلبی تعلقات کی صحت کا معیار یہ ہے کہ آدمی اپنے بھائی کے لیے وہی پسند یا ناپسند کرے جو اُسے خود اپنے لیے پسند یا ناپسند ہو۔

لیکن جو فریق سچا خدا پرست ہے وہ مال کا نقصان گوارا کرے، لیکن یہ گوارا نہ کرے کہ (غلطی خواہ دوسرے کی ہو) اس کی اخلاقی ساکھ خراب ہو، یا تھوڑے سے مال کی وجہ سے ایک مسلمان بھائی سے ہمیشہ کے لیے مقاطعہ ہو جائے۔ چھوٹے موٹے مفاد اور تھوڑے سے بہت مال سے دست بردار ہو کر بھی حلقۂ تعارف کو یہ تاثر نہ لینے دیا جائے کہ اسلام کا کام کرنے والا فلاں شخص جھگڑالو یا مفاد پرست ہے۔

مزید یہ کہ اگر قرض دیں تو اتنا دیں کہ اگر وہ واپس نہ ہو سکے تو آپ شروع ہی سے اسے معاف کرنے کی نیت رکھتے ہوں۔ کسی کی مالی ضمانت دینے سے بہتر یہ ہے کہ زرِ ضمانت اپنی طرف سے ہدیہ کر دیں۔ قرض لینے کے بارے میں حد سے زیادہ اجتناب کرنا چاہیے۔ جائیدادیں اور مکان بنانے یا کاروبار چلانے یا نیچے کے معاشی دائرے سے نکل کر اوپر کے دائرے تک پہنچنے کے لیے دوسروں سے بڑی بڑی رقمیں اپنے مالی حالات کے حقیقت پسندانہ جائزے کے بغیر لینے کا نتیجہ بالعموم یہ ہوتا ہے کہ ایسی ادائیگیاں ناممکن ہو جاتی ہیں، اور اس طرح کی بعض مثالیں میرے نوٹس میں ہیں کہ ایک پارٹی نے دوسری سے قرض لے کر اپنے آپ کو اونچا ضرور اٹھا لیا مگر پھر وہ قرض کبھی واپس نہ ہو سکا۔ ہوا بھی تو کوئی جزوی، اور بقیہ ملیا میٹ ہو گیا۔ جانتے بوجھتے دوسروں کے پیسے پر کسی جھونپڑے والے کا اپنی امارت کا محل کھڑا کرنا عجیب قسم کا رومانوی (ROMANTIC) معاملہ ہے جو کبھی کبھی عیاری و چالاکی کی حدوں کو چھو لیتا ہے۔ ایسا طرز عمل اسلام کے کسی سچے خادم کو کبھی اختیار نہیں کرنا چاہیے اور کسی وجہ سے ایسے واقعات میں وہ پھنس جائے تو راہ نجات یہ ہے کہ جو قصر دولت کھڑا کیا ہے وہ پورا یا اس کا کوئی حصہ (حساب کے مطابق) خوش دلی سے قرض خواہ کے حوالے کر دیا جائے۔ متوسط الحال بلکہ غریب طبقوں اور اس کی بالائی سطح سے تعلق رکھنے والوں کو چھوٹے موٹے قرض صرف اس صورت میں لینے چاہییں جب کہ کسی بیماری، مقدمے یا دیگر مصائب کی وجہ سے برا وقت پیش آ جائے اور ایسی ہر رقم کی واپسی کی اوّل روز سے پختہ نیت ہونی چاہیے۔ اور اس کی ادائیگی کے لیے دعائیں (بعض مسنون دعائیں بھی ہیں) کرنی چاہییں۔ اور پھر اگر ساری کوشش کے باوجود بروقت پوری رقم یا مقررہ قسط کی ادائی نہ ہو سکے تو تہ دل سے معذرت کر کے مزید مہلت حاصل کی جا سکتی ہے، اور اگر ایک لمبے عرصے کی کوشش کے باوجود نہ تو زائد آمدنی حاصل کر کے یا بچت کر کے رقم واپس کی جا سکی ہو اور نہ اپنی کوئی چیز بیچ کر حساب چکانا ممکن ہو تو پھر لجاجت سے کوشش کرنی چاہیے کہ قرض خواہ

اپنی رقم معاف کر دے۔ ایسا بھی نہ ہو سکے تو پھر کسی ایک یا چند دوستوں کے سامنے صورتِ حالات رکھ کر درخواست کی جائے کہ کچھ لوگ آپ کے قرض کا بوجھ فی سبیل اللہ اتروا دیں۔

اُوپر کی ساری گذارشات میں اہم ترین باتیں تین ہیں:

ایک یہ کہ کاروباری اشتراک میں کوئی بات ایسی نہ ہونی چاہیے کہ آپ کی آمدنی میں رزقِ حرام کا کوئی جزو شامل ہو جائے۔ خصوصاً اس حالت میں کہ آپ جانتے سمجھتے ہوں۔ زبردستی کی حاصل کردہ رقم ہو یا ہیر پھیر سے اخذ کردہ مال ہو، یا حسابات سے بالا بالا کوئی آمدنی ہو، یہ چیز آپ کے سارے رزق کو ناپاک کر دے گی۔ اور جہاں رزقِ حرام پہنچ جاتا ہے، وہاں پھر نہ ایمان کی خیر ہے، نہ عبادات اور اذکار و دعوات کی۔ حدیثِ نبوی سے ظاہر ہے کہ غل وغش کا معاملہ اگر سوئی دھاگے جتنا بھی ہو تو شہید کی شہادت کی جزا پہ پانی پھر جاتا ہے۔

دوسرا یہ کہ قرض ایسی چیز ہے جو اگر مرتے دم آدمی کے ذمہ رہ جائے اور اس کی طرف سے ورثا کو نہ تو وصیت کی گئی ہو اور نہ وہ ادا ہی کریں۔ تو خدا بچائے، ایک پیسہ بھی پہاڑ جیسی نیکیوں کے سامنے حائل ہو جائے گا۔

آخرت کے لحاظ سے دیکھا جائے تو چھوٹے چھوٹے مالی اور معاملاتی امور میں ہم جو زیادتیاں ایک دوسرے پر کرتے ہیں وہ حد درجہ تباہ کن ہوتی ہیں۔

تیسری یہ جیسے کہ ہم اُوپر بات کر چکے ہیں، کاروباری معاملات یا قرض کے بارے میں لاپروائی یا دیدہ و دانستہ غلط منفعت اندوزی تحریکِ اسلامی کے سپاہیوں کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے کدورت کا زہر بھر دیتی ہے۔

کاروباری اور معاملاتی ذمہ داریوں میں جو لوگ کوتاہ ثابت ہوتے ہیں یا دانستہ گڑبڑ کرنا جن کا وتیرہ ہوتا ہے، جو ایسی کسی بدمعاملگی کی وجہ سے بدنام ہوں، میرا علم و ضمیر یہ کہتا ہے کہ اگر وہ جلد سے جلد اپنی اصلاح اور خرابیوں کی تلافی نہ کر سکیں تو انھیں تحریکِ اسلامی کے داعیوں کی صف میں کھڑا نہیں ہونا چاہیے۔ میرے بس میں ہو تو میں کسی ایسے شخص کو یہ اجازت نہ دوں کہ وہ کسی اسٹیج سے دین کی سربلندی کے وعظ کہے، وہ نظامِ حیات یا اخلاق کو سنوارنے (باقی برصفحہ ۴۵)